محمد جعفر پھلواروی

زکوٰۃ

قرآن نے صلوٰۃ کے ساتھ قریباً ہر جگہ زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو انسان کی بنیادی ضرورتیں صرف دو ہیں: معاشی اور اخلاقی۔ معاشی ہمواری انسان کی بقائے حیات کے لئے ضروری ہے اور اس سطح پر انسان محض ایک حیوان ہوتا ہے۔ حیوانی زندگی سے بلند کرنے والی شے انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی ہوتی ہے۔ یہ مادی اور روحانی تقاضے ایسی دو بنیادی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔ یہ دونوں ہی انسان کے لئے ضروری ہیں۔ معاشی زندگی کی ہمواری کے لئے ایتائے زکوٰۃ ہے اور اخلاقی زندگی کے قیام کے لئے اقامتِ صلوٰۃ۔ اقامتِ صلوٰۃ ہمیشہ اس انداز کی ہونی چاہیئے جو معاشی ہمواری کے تقاضوں کو پورا کرتی رہے۔ اور معاشی نظام کا انداز ایسا ہونا چاہیئے جو اخلاقی قدروں کو کسی طرح نہ ہونے دے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ خود لفظ زکوٰۃ میں (جو زکیٰ کا مصدر ہے) یہ حقیقت پوشیدہ ہے۔ زکوٰۃ کے معنی بالیدگی کے بھی ہیں اور پاکیزگی کے بھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک زکوٰۃ کوئی ایسا معاشی نظام نہیں جو محض مادی بنیادوں پر قائم ہو اور جس کا مقصد فقط مالی اضافوں کے ساتھ معیارِ زندگی کو بلند کرنا ہو بلکہ وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی بالیدگی کو بھی ساتھ ساتھ قائم رکھتا ہے اور یہ مقصد مال کو — خواہ وہ روپے پیسے کی شکل میں ہو یا دوسری ضروریاتِ زندگی کی شکل میں — خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں صدق دلی، اخلاص اور خوش دلی ہو۔

انسان جو کچھ کماتا ہے وہ دراصل خرچ کرنے ہی کے لئے کماتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو محض اندوختہ کرنے کے لئے کماتے ہیں۔ یہ جمع برائے جمع ایک ایسی لعنت ہے جس کی برائیوں سے کتاب و سنت کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے۔ بعض اوقات صرف روپے پیسے جمع کئے جاتے ہیں اور بعض اوقات ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی ہوتی ہے۔ یہ لوگ گویا بہتے پانی کو روک لیتے ہیں جس سے کچھ لوگ تو پیاسے مرتے ہیں اور یہ خود اندوختہ پانی کی سڑاند (تعفن) سے مرتے ہیں۔ جس زمین میں کہیں ٹیلے ہوں اور کہیں خندق وہاں ہر شخص کو چلنے میں دشواریاں ہونگی اور ضعفا تو ٹھوکریں کھا کھا کر زخمی ہونگے۔ چلنے والوں کا یسر و سہولت اسی میں ہے کہ ٹیلوں کو کاٹ دیا جائے اور خندقوں کو پاٹ دیا جائے تاکہ زمین ہموار ہو جائے اور سب لوگ آسانی سے راستہ چل سکیں۔ اسلامی نظامِ معاش (زکوٰۃ) بالکل یہی ہمواری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جہاں سارے انسان زندگی کے ہموار راستے پر چل سکیں۔ اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ جہاں دولت کے ٹیلے کھڑے

ہیں وہاں سے ان کو کاٹ کر افلاس دبے مانگی کی خندقوں کو پاٹ دیا جائے۔ اسی کا نام ہے نظامِ زکوٰۃ۔ لیکن یہ کام بڑی اونچی اخلاقی زندگی چاہتا ہے۔ کون ہے جو اپنی زائد دولت کو آسانی سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دے۔ وراثت سے ملی ہوئی یا کسی اور طرح مفت ہاتھ آئی ہوئی دولت کو بھی کوئی دینا نہیں چاہتا چہ جائیکہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی دیدے۔ اب دیکھئے کتنا زوا حتکار انسانیت کے لئے سخت مضر اور اس کا نکلوانا مشکل تر۔ ایسی دولت کو اگر قانونی دباؤ سے باہر نکلوایا جائے تو کسبِ دولت کا جذبہ ختم ہو جائے۔ کیونکہ جیسے یہ معلوم ہو کہ یہ زائد دولت ہم سے چھین لی جائیگی وہ زائد کمانے کی فکر ہی کیوں کرے گا؟ اور اگر صرف اخلاقی وعظ کے ذریعے زائد دولت نکلوائی جائے تو یہ کوشش ایک فی صد بھی مشکل کامیاب ہو سکے گی۔ ان دونوں مشکلوں کا حل جو اسلام نے تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱) قانونی طور پر زائد دولت میں سے اتنا حقیر حصّہ نکلواتا ہے جو آسانی کے ساتھ ادا ہو سکے۔ (روپے، مالِ تجارت، مویشی اور پیداوار سب میں سے) اور قانونِ وراثت بھی یہی مقصد پورا کرتا ہے۔

(۲) تمام ممکن اخلاقی ترغیبات و ترہیبات سے کام لیتا ہے، تاکہ قانونی دباؤ سے بالاتر رہ کر زیادہ سے زیادہ جذبۂ ایثار بیدار ہو سکے۔ یہی مقصد اقامتِ صلوٰۃ سے پورا ہوتا ہے۔ پہلی چیز کا عمومی نام زکوٰۃ ہے۔ اور دوسری کا نام انفاق و صدقہ۔ اسی معنی میں زکوٰۃ ایک ابتدائی قدم ہے اور آخری منزل انفاق۔ انفاق بھی محض انفاق نہیں بلکہ "انفاق عفو" یعنی اپنی اوسط درجے کی ضروریاتِ زندگی پوری ہونے کے بعد جو کچھ بھی بچے اسے دوسروں کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے پر صرف کر دینا۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد زکوٰۃ کا عام قانون ختم ہو جاتا ہے ٹھیک اُسی طرح جس طرح ایم۔ اے میں پہنچنے کے بعد سارے ابتدائی مدارج ختم ہو جاتے ہیں۔ نظامِ زکوٰۃ کا ماحصل حضورؐ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

لیاتین علی الناس زمان یطوف الرجل فیه بالصدقة من الذهب ثم لا یجد احدا یاخذها منه۔ (رواه الشیخان عن ابی موسیٰ)

عنقریب لوگ ایسا وقت دیکھیں گے کہ انسان اپنی زکوٰۃ کا سونا لے کر مستحق کو تلاش کرتا پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا۔

نظامِ زکوٰۃ کی یہی آخری منزل ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ایسا وقت تاریخ کی آنکھوں نے دیکھ بھی لیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زکوٰۃ ادا نہیں فرمائی۔ کیوں؟ اس لئے کہ زکوٰۃ تو وہ ادا کرے جس کے پاس کچھ مدت تک مال جمع رہے لیکن جس کے پاس بڑی سے بڑی دولت چوبیس گھنٹے گزرنے سے پہلے ہی مستحقین میں تقسیم ہو جائے وہاں زکوٰۃ ادا کرنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے؟ حضرت خالد بن ولیدؓ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے شکایت کی وہ زکوٰۃ نہیں ادا کرتے تو حضورؐ نے فرمایا:

... اما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل الله۔ (رواه الشیخان وابو

خالد سے زکوٰۃ طلب کر کے تم لوگ ان پر ظلم کرتے ہو۔ خالد کے تو بدن کے کپڑے بھی فی سبیل اللہ وقف ہیں اور خود خالد کا شمار بھی ہمہ تن فی

داؤد والنسائی عن ابی ہریرہؓ)   سبیل اللہ ہے۔

لیکن اس مقام تک پہنچنے سے پہلے جو حصّۂ مال قانونی طور پر وصول کیا جاتا ہے اس میں اہلِ دولت کے لئے بے شمار سہولتیں اور رعائتیں ہیں مثلاً :

(۱) تمام ضروریاتِ زندگی اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ ضروریاتِ زندگی میں غذائیات، پہننے، اوڑھنے، بچھانے کے سامان، مکان، سامان نوشت وخواند، سواریاں، عورتوں کے روزمرّہ کے استعمالی زیور وغیرہ ساری چیزیں داخل ہیں۔ یہ تمام چیزیں خواہ کتنی ہی قیمتی ہوں مگر ان پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ اسی مال پر ہے جو ضروریاتِ زندگی سے زائد ہو۔

(۲) پھر یہ زائد مال اپنی قیمت میں نصاب تک پہنچتا ہو۔ یہ نصاب فقہ میں یوں ہے :

چاندی کی شکل میں ہو تو ساڑھے باون تولے سے کم نہ ہو۔

سونے کی شکل میں ہو تو ساڑھے سات تولے سے کم نہ ہو۔

غلے کی شکل میں ہو تو ۵ وسق (قریباً ایک ٹن) سے کم نہ ہو اور سبزی ترکاری کی طرح جلد خراب ہونے والی چیز نہ ہو۔

اونٹ پانچ سے کم نہ ہوں۔

گائے بیل تیس سے کم نہ ہوں۔

بھیڑ بکریاں چالیس سے کم نہ ہوں۔

(۳) پھر ان سب جانوروں کے قابلِ زکوٰۃ ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی کا دارومدار باہر کی چرائی پر ہو اگر زیادہ تر گھر سے کھلانا پڑتا ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔

(۴) پھر تمام قسم کے مال کے لئے یہ بھی ضروری ہے وہ نامی ہو یعنی بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر کسی کے پاس فرض کیجئے سو اونٹ ہوں اور سب کے سب نر ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ لاکھ روپے کا مکان ہو تو خواہ وہ اپنے رہائشی مکان کے علاوہ ہی ہو لیکن اس پر زکوٰۃ نہیں۔

(۵) پھر سب سے بڑی رعائت یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام قسم کے اموال (مذکورہ نصاب پورا ہونے کے بعد) پر زکوٰۃ اسوقت فرض ہوتی ہے جب ان پر ایک سال گزر جائے۔ اس دوران میں کوئی صنف مال بھی مقدارِ نصاب سے کم ہو جائے — خواہ تلف ہو جائے یا خود اپنے مصرف میں آجائے یا کسی کو دے دیا جائے — تو اس پر زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوگی۔

(۶) پھر زکوٰۃ کی شرح بھی ملاحظہ ہو جو نصاب پورا ہونے کے بعد وصول کی جاتی ہے:

چاندی سونے یا ان کے قائم مقام مثلاً نوٹ اور موجودہ آہنی روپے، میں ڈھائی فی صد۔

پیداوار پر پانچ یا دس فی صد۔

حیوانات میں پانچ اونٹ پر ایک سال کی ایک بکری۔ تیس گائے یا بھینس پر ایک سال کا بچہ۔ چالیس بھیڑ بکری

پر ایک سال کی بکری۔ (مقدار نصاب سے زائد کی تفصیلات بہت ہیں جو فقہ میں موجود ہیں یہاں ان کو نقل کرنا مقصود نہیں)

(۷) پھر ایک رعایت یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ اگر کسی دولت مند کے پاس یہ تمام قسم کے اموال ہوں لیکن وہ اتنا قرضدار ہو کہ قرض منہا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب سے کم بچتا ہو تو زکوٰۃ اس سے بھی نہیں لی جائے گی۔

(۸) ایک سہولت یہ بھی ہے کہ جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے محصّل کو خود مالک کے پاس جانا چاہئے۔ مالکِ حیوانات کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے تمام جانوروں کو ہنکا کر محصّل کے پاس یا محصّل کی بتائی ہوئی چراگاہ میں لائے محصّل کے پاس لانے کو عربی میں جَلَب اور چراگاہ میں لے جانے کو جَنَب کہتے ہیں اور حضورؐ نے دونوں کی ممانعت فرمائی ہے:

لاجلب ولاجنب ولاشغار فی الاسلام۔ (نسائی عن عمران بن حصین)	اسلامی نظام میں جلب اور جنب اور شغار کی اجازت نہیں (شغار کے معنی ہیں بلا مہر مبادلے میں نکاح کرنا)

(۹) ایک اور یُسر ملاحظہ ہو کہ زکوٰۃ میں عمدہ مال چھانٹ چھانٹ کر لینے کی حضورؐ نے ممانعت فرمائی ہے اور اسے ظلم قرار دیا ہے اور ایسے انداز میں اس ظلم کے انجام سے ڈرایا ہے جس سے زیادہ کوئی اور مؤثر طریقہ شاید ہی ہو سکتا ہو۔ ارشاد ہے:

..... وتوقّ کرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینه وبین الله حجاب۔ (رواه الستة الا مالکا عن ابن عباس)	وصولی زکوٰۃ میں عمدہ سے عمدہ مال چھانٹ کر لینے سے بچو اور مظلوم کی آہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی روک نہیں۔

دنیا میں کونسی زکوٰۃ یا ٹیکس ہے جس میں اس درجے احتیاط یسر اور رعائتیں ملحوظ رکھی گئی ہوں؟ ان تمام آسانیوں کے باوجود دنیا پھر بھی دنیا ہے اس لئے سب سے بڑی آسانی یہ ہونی چاہئے تھی کہ دل و دماغ کے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جائے جو دینے سے فطرۃً پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ جس چیز کا لحاظ رکھا ہے وہ یہی ہے یہ زکوٰۃ کوئی جبرانہ ٹیکس یا ناقابلِ ادا رقم نہ بن جائے بلکہ دینے والا اپنی خوش دلی سے اپنا فرض سمجھ کر اور رضا کارانہ طور پر دے اور اس دینے کو نماز کی طرح ایک عبادت یقین کرے۔ حضور کا ارشاد ہے:

اذا اعطیتم الزکوٰة فلا تنسوا ثوابها ان تقولوا اللّٰهم اجعلها مغنما ولا تجعلها مغرما۔ (قزوینی بضعف عن ابی ہریرہ)	جب تم زکوٰۃ ادا کرو ثواب کے اس پہلو کو نہ بھولو جو اس دعا سے حاصل ہوتا ہے کہ اے اللہ! اسے غنیمت بنا (جس کے لینے میں خوش دلی ہوتی) اور تاوان نہ بنا (جس کے دینے میں کڑھن ہوتی ہے)

یہ حدیث سنداً ضعیف ہو تو ہو لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے کیونکہ دوسری روایتوں سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ "یہ اُمت اس وقت تک خیر پر رہے گی، جس وقت تک زکوٰۃ کو تاوان نہ تصوّر کرے"۔

(۱۰) اسلام نے زکوٰۃ کو ایک ابتدائی قدم کے طور پر اختیار کیا ہے لیکن سچ پوچھئے تو ایک اور قدم اس سے پہلے یہ اُٹھایا

ہے کہ ہر قسم کے خرچ کو ــــ بشرطیکہ وہ جائز حدود کے اندر ہو ــــ عبادت قرار دیا ہے خواہ وہ اپنے اور اپنے بال بچوں پر ہو یا دوسروں پر، اور خواہ زکوٰۃ ادا کرنے والا غنی کرے یا زکوٰۃ لینے والا فقیر۔ ایک طرف جمع مال، اکتناز اور ذخیرہ اندوزی کو لعنت قرار دیا اور بخل کی سخت مذمت کی اور دوسری طرف ہر قسم کے جائز اخراجات کو صدقہ اور کار خیر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ما من یوم یصبح فیہ العباد الا ملکان ینزلان یقول احدھما اللّٰھم اعط منفقًا خلفًا ویقول الاخر اللھم اعط ممسکا تلفًا۔ (رواہ الشیخان عن ابی ہریرہؓ)

ہر روز جب بندوں کی صبح ہوتی ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! ہر انفاق (خرچ) کرنے والے کو اس کے انفاق کی جزا دے اور دوسرا کہتا ہے کہ ہر کنجوس پر بربادی نازل فرما۔

(۲) دینار انفقتہ فی سبیل اللّٰہ ودینار انفقتہ فی رقبۃ ودینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

اپنی رقم تم اللہ کی راہ میں بھی صرف کرتے ہو اور قیدی کی آزادی کے لئے بھی۔ مسکین کو بھی دیتے ہو اور اپنے اہل وعیال کو بھی، ان سب مصارف میں سب سے بڑھ کر ثواب اس خرچ کا ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر کرتے ہو۔

اس سے بھی زیادہ:

(۳) ما اطعمت نفسک فھو لک صدقۃ وما اطعمت ولدک فھو لک صدقۃ وما اطعمت خادمک فھو لک صدقۃ۔ (رواہ احمد عن المقدام بن معدیکرب)

تم اپنے آپ کو کھلاؤ یا اپنی اولاد کو یا اپنے خادم کو یہ سب کا سب تمہارے لئے صدقہ ہی ہے۔

یہ احکام اس لئے ہیں کہ انسان کا جذبۂ جمع واکتناز ختم ہو اور اس کا جائز خرچ کرنے کا سلسلہ اپنی ذات سے آگے بڑھ کر اپنے اہل وعیال، افراد خاندان، نوکر چاکر اور پھر دوسرے تمام مستحقین پر محیط ہو جائے۔ کسی کا غریب ہو کر زکوٰۃ لینا اور کسی کا امیر ہو کر زکوٰۃ دینا ایک اتفاقی چیز ہے جو ہر وقت بدل سکتی ہے۔ اصل مدعا یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ بھی ہے اسے جمع کر کے نہ رکھے بلکہ جائز حدود میں رہ کر لازماً خرچ کرتا رہے۔ اس طرح دولت ہمیشہ گردش میں رہے گی اور جتنی زیادہ گردش ہوگی اسی قدر لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔ پس غریب ہو یا امیر دراصل جو بھی کسی جائز ضرورت میں صرف کرتا ہے وہ صدقہ ہی ادا کرتا ہے۔ فرق زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ امیر کی رقم کا ایک حصہ غیروں پر بھی صرف ہوتا ہے اور غریب کی پونجی اپنوں سے آگے نہیں جاتی۔ صدقہ سب ہی ہے بشرطیکہ صدقِ دلی موجود ہو۔ قرآن کریم نے اس رقم کو بھی جو بیوی کو بطور مہر دی جاتی ہے صدقہ کہا ہے (۴: ۴) جسے خوش دلی سے (نحلۃً) ادا کرنے کا حکم ہے۔ احادیث میں اس مہر کو صداق بھی کہا گیا ہے کیونکہ یہ صداقت (دوستی اور راستی) کا ایک تقاضا اور حق ہے۔

احادیث میں صدقے کے مفہوم کو اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ ہر کارِ خیر بلکہ ہر قولِ خیر تک کو صدقہ کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) .... ان بکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تکبیرۃ صدقۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ وکل تھلیلۃ صدقۃ وامر بالمعروف صدقۃ ونھی عن منکر صدقۃ وفی بضع احدکم صدقۃ، قالوا یا رسول اللہ ایأتی احدنا شھوتہ ویکون لہ فیھا اجر؟ قال ارأیتم لو وضعھا فی حرام کان علیہ وزر؟ فکذٰلک اذا وضعھا فی الحلال کان لہٗ اجر۔ (مسلم عن ابی ذر)

ہر تسبیح، ہر تکبیر، ہر تحمید اور ہر تہلیل صدقہ (نیکی و اجر) ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے حتیٰ کہ جنسی تعلق بھی صدقہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی جنسی خواہش پوری کرے اور وہ مستحق اجر ٹھہرے؟ فرمایا کہ اگر وہ اپنی خواہش کا غلط استعمال کر کے حرام کا مرتکب ہوتا تو اس پر گناہ عائد ہوتا۔ بس یوں ہی جب وہ صحیح استعمال کرتا ہے تو مستحق اجر بھی ہوتا ہے۔

(۲) علی کل مسلم صدقۃ قیل ارأیت ان لم یستطع؟ قال یعمل بیدیہ فینفع نفسہ ویتصدق۔ قال ارأیت ان لم یستطع؟ قال یعین ذا الحاجۃ الملھوف، قال ارأیت ان لم یستطع؟ قال یامر بالمعروف او الخیر، قال ارأیت ان لم یفعل قال یمسک عن الشر فانھا صدقۃ۔ (رواہ الشیخان عن ابی موسیٰ)

حضورؐ نے فرمایا کہ: صدقہ ادا کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ، اگر وہ اس قابل نہ ہو؟ فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کرے اور اس کمائی سے اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور کچھ صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا کہ اگر اس کا مقدور نہ ہو؟ فرمایا: امر بالمعروف کرے۔ سوال کیا کہ: اگر یہ بھی نہ کر سکے؟ فرمایا: شر سے باز رہے یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔

(۳) کل سلامیٰ من الناس علیہ صدقۃ، کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل بین الاثنین صدقۃ تعین الرجل فی دابتہ فتحملہ علیھا او ترفع لہ علیھا متاعہ صدقۃ، والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ، وبکل خطوۃ تمشیھا الی الصلوٰۃ صدقۃ، والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ، وبکل خطوۃ تمشیھا الی الصلوٰۃ صدقۃ، وتمیط الاذی عن الطریق صدقۃ۔ (رواہ الشیخان عن ابی ہریرۃ)

انسان کا جوڑ جوڑ اس کے حق میں صدقہ ہے۔ ہر وہ دن جس میں سورج طلوع ہو اور تم دو کے درمیان عدل کرو تو یہ عدل صدقہ ہوگا۔ اگر کسی آدمی کو سوار ہونے میں یا اس کا اسباب چڑھانے میں مدد دو تو یہ مدد بھی صدقہ ہوگی۔ پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو مسجد کی طرف جاتے ہوئے اٹھے صدقہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر راستے سے کوئی

ایذا رساں چیز ہٹا دو تو یہ عمل بھی صدقہ ہے۔

(۴) اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجدوا فبکلمۃ طیبۃ۔ (رواہ الشیخان والنسائی عن عدی بن حاتم)
یعنی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر کیوں نہ ہو، اور اگر یہ بھی میسّر نہ ہو تو اچھی بات ہی کہہ کر سہی۔

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ صرف چھوہارے کا ایک ٹکڑا دے دینا ہی صدقہ نہیں بلکہ نرمی و شرافت کے دو کلمے کہہ دینا بھی صدقہ ہے یہی کلمۂ طیبہ ہے جسے قرآن پاک "قولِ معروف" کہتا ہے:

قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی ..... (۲: ۲۶۳)	مناسب بات کہہ دینا اور درگذر سے کام لینا ایسے صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی آزار ہو۔

گویا ہر کارِ خیر صدقہ ہے خواہ وہ قولی ہو یا فعلی یا فکری۔ ظاہر ہے کہ اس میں امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں۔ البتہ زکوٰۃ ایک ایسا صدقہ ہے جو غنی کے حصّے میں آتا ہے۔ غنی دیتا ہے اور فقیر و مسکین لیتا ہے۔ دینے والے میں احساسِ بہتری اور لینے والے میں احساسِ کہتری کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ حضورؐ نے ان دونوں باتوں کو یوں دور کر کے کمزور ذہنیت کو اخلاقی سہارا دیا ہے کہ:

ما الذی یعطی من سعۃ باعظم اجراً من الذی یقبل اذا کان محتاجا۔ (اوسط طبرانی بضعف عن انسؓ)	جو شخص ثروت و فراوانی کی حالت میں دیتا ہے وہ اس شخص سے زیادہ مستحق اجر نہیں جو احتیاج کی حالت میں اسے قبول کر لیتا ہے۔

اس روایت میں طبرانی کے نزدیک سنداً کچھ ضعف ہے لیکن مضمون میں بڑی صداقت ہے غنی کسی فقیر کو دے کر دراصل کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ وہ فقیر کا ایک "حق" ہوتا ہے جو وہ نکالتا ہے۔ اور جو محتاج اسے قبول کرتا ہے وہ دراصل غنی کو حصولِ ثواب کا ایک موقع دے کر اس پر احسان کرتا ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ صرف اتنی سی بات سے غریب کی ذہنیت میں کتنی پرواز آجاتی ہے اور ذہنی "اذی" کی ایک شکل یعنی شرمندگی سے کس طرح وہ بچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دینے والے میں اپنی برتری اور احسان جتلانے کا جو غلط جذبہ پیدا ہو سکتا ہے وہ کس خوبی سے دور ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ محتاج کا کچھ لینا بھی ایک صدقہ اور کارِ خیر ہے۔

غرض صدقہ کوئی ایسا فعل نہیں جو صرف اغنیاء کے لئے ہی مخصوص ہو۔ یہ غریب بھی کر سکتا ہے اور امیر بھی۔ فرق یہ ہے کہ غریب کا صدقہ اپنی ذات تک یا اپنے زیرِ کفالت افراد تک محدود ہوتا ہے اور امیر کی داد و دہش کا حلقہ وسیع تر ہوتا ہے۔ اس کے صدقے کے دو حصّے ہوتے ہیں ایک تو وہ انفاق ہوتا ہے جو وہ فطرت یا قانونِ اخلاق و مکافات سے مجبور ہو کر کرتا ہے مثلاً والدین کی خدمت یا بال بچوں کی کفالت یا اپنی ذاتی ضروریات کی تکمیل۔ اور دوسرا انفاق وہ ہوتا ہے۔ جو وہ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین، مسافر، پڑوسی وغیرہ کی امداد کے لئے کرتا ہے یا کسی قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے۔

اس کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک وہ حصۂ انفاق ہے جو اسے قانوناً کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اس میں جتنی زیادہ خوش دلی اور اخلاص ہوگا اسی قدر زیادہ اجر و ثواب ہوگا۔ دوسرا وہ حصۂ انفاق ہے جو وہ قانون سے بالاتر ہو کر کرتا ہے۔ قانون اس سے اگر ڈھائی فی صد مانگتا ہے وہ اسے ادا کرنے کے بعد بھی اس سے بہت زیادہ اپنی خوشی سے مستحقین کو دے دیتا ہے۔ ایسے منفق کا اجر و ثواب بے حد و حساب ہے۔ کیونکہ قانونی زکوٰۃ کا مقصد بھی دراصل اسی نوع کا جذبۂ انفاق پیدا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی طرح یہ سعادت بھی صرف اغنیا کو ہی حاصل ہو سکتی ہے تاہم فقرا کو بھی اس میں یوں شریک کر لیا گیا ہے کہ اغنیا یہ ثواب کچھ دے کر حاصل کرتے ہیں اور فقرا لے کر۔

مختصر یہ کہ حلال کمائی اور جائز یا ضروری خرچ سب کا سب صدقہ یعنی کارِ خیر ہے جو گھر سے شروع ہو کر باہر اپنا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے۔ اور اس میں امیر و غریب سب کے لئے یکساں مواقع ہیں۔ البتہ زکوٰۃ صرف اغنیا ہی ادا کر سکتے ہیں اور اغنیا وہی ہوتے ہیں جو اپنے والدین، اولاد اور ازواج کی کفالت و خدمت کے پہلے ہی سے ذمے دار ہوتے ہیں اس لئے فاضل رقم کے اس حصے (زکوٰۃ) کو ان پر خرچ کرنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہ خدمت و کفالت تو ہر ایک پر یوں ہی فرض ہے۔ اسی چیز کو فقہا یوں لکھتے ہیں کہ اصول، فروع، ازواج وغیرہ پر زکوٰۃ حرام ہے۔ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن بعض تنگی کے حالات میں یہ توسع رکھا گیا ہے کہ صدقہ، زکوٰۃ کی رقم ان لوگوں کو بھی دی جا سکتی ہے۔ مثلاً حضرت بلال رضؓ حضورؐ سے عرض کرتے ہیں کہ:

....ان امرأتین بالباب تسئلانک اتجزئ الصدقۃ عنھما علی ازواجھما وعلی ایتام فی حجورھما؟

دو عورتیں دروازے پر کھڑی یہ مسئلہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر شوہر یا سوتیلے فرزند کو صدقہ (زکوٰۃ) ادا کیا جائے تو وہ ادا ہو جائے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

لھما اجران، اجر القرابۃ واجر الصدقۃ۔

انھیں دُہرا اجر ملے گا، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقے کا۔

یہ سوال کرنے والی دو عورتیں تھیں جن میں ایک کوئی انصاریہ تھیں اور دوسری عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب تھیں۔ اور ان ہی زینب سے یہ روایت بخاری، مسلم اور نسائی میں موجود ہے۔ روایت بہت طویل ہے۔ ہم نے صرف ضروری حصہ لے لیا ہے۔ یہاں لفظ صدقہ عام کارِ خیر کے معنوں میں نہیں ورنہ اس سوال کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ صدقہ زکوٰۃ ہی کے معنوں میں معلوم ہوتا ہے۔ ہم یہ تو ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ شوہر یا سوتیلے فرزند کو زکوٰۃ دینا کوئی عام اصول ہے۔ لیکن خاص حالات میں اس توسع و تیسر کو باقی رکھنا چاہئے۔

فقہائے کرام کافر کو زکوٰۃ دینا بھی ناجائز لکھتے ہیں لیکن ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ سیدنا عمر فاروق رضؓ کے نزدیک انما الصدقٰت للفقراء والمساکین الخ میں فقرا سے اہلِ اسلام کے محتاج اور مساکین سے اہلِ کتاب کے

غربا مراد ہیں۔

ان تمام احکام کو اور ان کے علاوہ جتنے اور مفصل احکامِ زکوٰۃ ہیں ان سب کو ملا کر آپ ان کی روح و مقصد تلاش کریں تو یہ نظر آئے گا کہ:

۱۔ اسلامی نظامِ معاش کی بنیاد لینے اور اندوختہ کرنے پر نہیں رکھی گئی ہے بلکہ دینے اور انفاق کرنے پر قائم کی گئی ہے۔ اسی لئے کسبِ حلال کے سوا جتنے طریقے انسانی اخلاق پر اثر انداز ہو سکتے ہیں وہ سب حرام کر دئے گئے ہیں۔ ایک طرف سود اور دوسرے ناجائز طریقوں کو حرام کیا گیا اور دوسری جانب زکوٰۃ کو فرض کر کے زائد از فرض کی طرح انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

۲۔ اندوختہ کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے کیونکہ یہ انفاق کی ضد ہے۔

۳۔ بخل کو سخت مذموم قرار دیا گیا ہے کیونکہ انفاق میں یہ بھی حارج ہوتا ہے۔

۴۔ ہر جائز خرچ کو انفاق فی سبیل اللہ کہا گیا ہے خواہ وہ اپنی ہی ذات پر کیوں نہ ہو۔

۵۔ انفاق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے ایسا تدریجی قدم اٹھایا گیا ہے جس کا آغاز نہایت سہل و میسر ہے اور رفتہ رفتہ یہ نظام انسان کو ایسی منزل کی طرف لے جاتا ہے جہاں وہ اپنی بنیادی ضروریات کے سوا کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھے اور جو کچھ بھی فاضل ہو وہ ادھر لوٹا دے جہاں ضروریات سے کم ہو۔

۶۔ معاشرے یا حکومت کے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ امیروں سے لے کر غریبوں کی ضروریات پر صرف کرے۔

۷۔ افرادِ معاشرہ کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ بطور خود بھی یہ نیکی کرتے رہیں۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے اور وہ چند افراد کی بجائے زیادہ سے زیادہ افراد کی ضروریات کو پورا کرتی رہے۔ اس مقصد کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ قرآن پاک اس بارے میں خاموش ہے۔ احادیث نے اس کی تعیین کی ہے کہ اس کا یہ انتظام ہو کہ اتنے مال پر اتنا حصہ لیا جائے۔

اس انتظام کو ابدی سمجھ لینا درست نہیں کیونکہ اس میں قومی خصوصیات و روایات، وقتی ضروریات، مکانی و زمانی رعائتیں وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور یہ سب بدلتی رہنے والی اقدار ہیں۔ جب ان حالات میں تغیر ہوگا تو اس نظام میں بھی فرق پیدا ہوگا۔ مالی نظام کی صرف شکلیں تبدیل ہونگی روح وہی باقی رہے گی۔ لازمی طور پر یہ نکتے ملحوظ رکھنے ہوں گے کہ:

۱۔ اس نظام میں زیادہ سے زیادہ یُسر باقی رہے۔

۲۔ خوش دلی بھی زیادہ سے زیادہ قائم رہے۔

۳۔ جذبۂ انفاق کسی معین مقام پر آکر رک نہ جائے بلکہ اس میں تدریجی ترقی ہوتی رہے۔

۴۔ اصل منزل — انفاقِ عفو — کسی وقت نظروں سے اوجھل نہ رہے۔

۵۔ معاشی ہمواری میں حائل ہونے والے تمام موانع کو زیادہ سے زیادہ دور کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام مقاصد و روح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معاشرے کو حق ہے کہ اپنے زمانی و مکانی ضروریات کے مطابق جس قسم کا مالی و معاشی نظام چاہے بنائے۔ مالِ زکوٰۃ کی تعیین، نصاب کا اندازہ، زکوٰۃ کی مقدار، مصارف میں ترمیم و اضافہ، وصولی و تقسیم کے طریقے وغیرہ یہ سارے جزئیات ایسے ہیں جن کو قرآن پاک نے معاشرے کے فہم و دیانت پر چھوڑ دیا ہے۔ مصالح انسانی کے تقاضوں کے مطابق ان سب جزئیات میں بہ ضرورت تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، بلکہ زکوٰۃ مفروضہ کے علاوہ نئے ضرائب (ٹیکس) بھی لئے جا سکتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

... ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ۔ (ترمذی) مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔

اس حق کو معاشرہ جب چاہے اور جس انداز سے چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو اس کا ارادہ بھی کیا تھا کہ معاشی ہمواری کے لئے اغنیا کا فاضل مال لے کر فقرائے مہاجرین پر تقسیم کر دیں لیکن غالباً یہ تجویز بروئے کار لانے کا موقع نہ پا سکے۔ ہمارے لئے موجودہ حالات و ضروریات کے مطابق تغیر و تبدل کا راستہ کھلا ہے۔

فکرِ اقبال

(از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم)

یہ بلند پایہ تصنیف اقبالیات میں گراں قدر اضافہ ہے۔ جس میں حضرت علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفہ کے ہر پہلو کی دلنشیں اور حکیمانہ انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ قیمت دس روپے۔

افکارِ غالب

(از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم)

اُردو ادب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں غالب کے ان فارسی اور اُردو اشعار کی شرح کی گئی ہو جو بلند پایہ فلسفیانہ اور حکیمانہ مطالب کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے "افکارِ غالب" میں غالب کے فلسفیانہ کلام کی حکیمانہ تشریح کر کے اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ: منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور